بیاباں کی شب تاریک میں قندیل

* نائلہ غازی

صحرا میں بھٹکتے ہوئے ایک مسافر کے لیے سورج کتنا اہم ہے اس کا احساس سورج کے غروب ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جب تک سورج اپنی آب و تاب سے چمکتا رہتا ہے ایک مسافر اپنا راستہ با آسانی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن سورج کے ڈھلتے ہی جونہی اندھیرا چھانے لگتا ہے اسے بھٹکنے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے اور سورج کی قدر ہونے لگتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ میرے والد صاحب علم و عمل اور اخلاق کے کس بلند درجے پر فائز ہیں انہوں نے کبھی اپنے طرز عمل سے ہمیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ دنیا میں وہ کتنے مقبول ہیں۔ ہمارے لیے وہ صرف ایک باپ تھے اور ایسے باپ کہ اس دور میں اس سے زیادہ خوبیوں کا حامل انسان ہونا بہت مشکل ہے۔ وہ علم، عمل، حسن اخلاق، تقوی، پرہیزگاری، خشیت الٰہی، غرض کہ ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے۔ والد صاحب ہمارے لیے قدرت کا وہ عظیم تحفہ تھے جس کی قدر و قیمت کا احساس ہمیں ان کی جدائی کے بعد ہوا۔ ہم میں سے کسی کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ان سے دریافت کرتا اور وہ منٹوں میں اس کا حل بتا دیتے۔ وہ حضور کے اخلاق حسنہ کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی بات سمجھانے اور دوسروں کو قائل کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ وہ دینی اور دینوی تمام معاملات میں ہر وقت ہماری رہنمائی کرتے۔ جب بھی ہم ان سے کچھ پوچھتے تو وہ یا تو سیرت رسول یا اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ سناتے جس سے خود بخود ہمیں مسئلے کا حل مل جاتا تھا۔

شاید کلام الٰہی اور سنت رسول کی پیروی اور علوم اسلامیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ ہی کی برکت تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ وہ جس کام کا ارادہ کرتے اس کے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے۔ ہر وقت پُر امید رہتے اور اپنے مقصد کے حصول میں انہیں کبھی کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے انہیں کبھی پریشان یا مضطرب نہیں دیکھا۔

ان کی شخصیت ایک ایسا آفتاب عالم تاب تھی کہ ان کے شاگردوں، گھر والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ سبھی لوگ ان سے خوب فیض حاصل کرتے۔ جو کوئی ان کے ساتھ کچھ عرصہ رہتا وہ خود بخود نیکی کے راستے پر گامزن ہو

جاتا۔ ان کے بلند اخلاق کا اثر تھا کہ ان کے عملے کے لوگ مثلاً، ڈرائیور، گارڈ وغیرہ ان کے شیدائی ہو جاتے۔ کئی بار ان کے ساتھ ایسے لوگوں کی ڈیوٹی بھی لگی جو ماضی میں کچھ اچھی شہرت نہ رکھتے تھے لیکن ان کے ساتھ ایک قلیل مدت گزارنے کے بعد وہ یکسر بدل گئے اور دینداری کی راہ پر چل پڑے حالانکہ بابا کبھی کسی کو اپنی زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ جب انہوں نے وزارت مذہبی امور چھوڑی تو ان کا سارا عملہ ان کو گھر تک چھوڑنے آیا۔ وہ سب کے سب آنسوؤں سے رو رہے تھے اور ہر کسی کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا: ہم نے اپنی زندگی میں ایسا وزیر کبھی نہیں دیکھا۔

دنیاوی شان وشوکت اور مال و دولت سے ان کو کوئی غرض نہ تھی۔ اکثر اپنا جائز حق بھی نہ لیتے۔ دین کے فروغ اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے انہوں نے جتنی بھی کوششیں کیں، جتنی بھی کتابیں لکھیں کسی کے بدلے کوئی دنیاوی فائدہ کبھی حاصل نہ کیا۔ کہتے تھے کہ اگر سب کچھ دنیا میں ہی لے لیں گے تو آخرت میں کیا ملے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے اتنا فکر مند کسی کو نہیں دیکھا جتنا وہ رہتے تھے۔ جب ساؤتھ افریقہ میں قادیانیوں کا مقدمہ چلا تو بابا مسلمانوں کے وکیل تھے۔ جب وہ مقدمہ جیتے تو ایک پاکستانی تاجر نے ان کو مرسڈیز گاڑی تحفے میں دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس کو پاکستان لے جانے میں بہت ڈیوٹی دینی پڑے گی جو میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس پر اس تاجر نے کہا کہ میں اس گاڑی کو آپ کی دہلیز تک پہنچوا کر دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ پاکستان میں پٹرول بہت مہنگا ہے میں اس کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں دس سال کے پٹرول کے پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میرے اس کام کو صرف اللہ کے لیے رہنے دیں میں اس پر کوئی دینوی فائدہ نہیں لینا چاہتا۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

قناعت پسندی اور سادگی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے کبھی سرکاری سہولتوں کا بلاضرورت استعمال نہ کیا۔ بلکہ وہ جائز وسائل کا بھی بہت احتیاط سے استعمال کرتے۔ کبھی اپنے ذاتی یا دفتری کام کے لیے نیا کاغذ استعمال نہ کرتے، بلکہ ردی کے وہ کاغذ جن کا ایک صفحہ سادہ ہوتا ہے ان کو کاٹ کر اپنے لکھنے کے قابل بنا لیتے اور اپنا سرکاری اور ذاتی کام ان پر کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ امام شافعی بھی ایسا ہی کرتے تھے میں تو ان کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ سرکاری فون یا گاڑی کو صرف سرکاری کاموں کے لیے استعمال کرتے۔ ان کی دو سالہ وزارت کے دوران سرکاری فون کا بل جمع نہ ہو سکا کیونکہ دو سال میں بھی فون کا بل اپنی کم از کم حد تک نہ پہنچا تھا۔ اس بارے میں کبھی گھر والوں میں سے

سے ثابت نہیں ان میں لٹھ لے کر پیچھے نہیں پڑ جانا چاہیے بلکہ حکمت سے کام لینا چاہیے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے تو انہوں نے ایک دم سے ہر چیز کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ آہستہ آہستہ لوگوں کو بدلا، خود شریعت نے بھی تدریج کے اصول کو اپنایا۔ کسی بھی چیز کی حرمت واضح کرنے سے پہلے لوگوں کو بتدریج اس کے لیے تیار کیا۔ آج کل بعض لوگ بغیر کسی علم یا دلیل کے ہر چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن بابا کہتے تھے کہ اللہ کا دین بہت آسان ہے اور اس میں شدت اختیار کر کے لوگوں کے لیے اس کو مشکل نہیں بنانا چاہیے۔ اگر کسی جگہ کوئی طور طریقہ رائج ہے، اگر وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہے، اور عدل و انصاف اور مساوات و کرامت آدم کے اصول اس سے مجروح نہیں ہو رہے تو اس کو باقی رہنا چاہیے۔

بابا اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو فروعی اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کے قریب آنا چاہیے اور باہمی عداوت اور کینہ کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بابا ساری زندگی تمام مسلمان فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کے مطابق مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ مسلمانوں میں فکری ترقی اور علمی ارتقاء کے عمل کا رک جانا اور محض اندھی تقلید کا رویہ عام ہو جانا ہے۔ اسی تقلید کے رویے کی وجہ سے مسلمانوں میں بے شمار فرقے وجود میں آئے جو ان کے باہم اختلافات کا سبب ہے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے امتِ مسلمہ آج زوال پذیر ہے۔ اس زوال اور کسمپرسی کی حالت سے نکلنے کے لیے امت مسلمہ کو ذہنی اور فکری غلامی سے آزاد ہو کر اور تمام اختلافات بھلا کر اخلاقی عروج کے ساتھ ساتھ علمی ترقی کے عمل کو دوبارہ شروع کرنا ہوگا۔ بابا کا خیال یہ تھا کہ امت مسلمہ کو سب سے زیادہ نقصان کم فہم اور کم علم مذہبی پیشواؤں اور بزدل اور لالچی حکمرانوں نے پہنچایا۔ وہ ساری زندگی ان تمام اسباب کے سدباب کے لیے کوشاں رہے جن کی وجہ سے آج امت مسلمہ انحطاط کا شکار ہے۔ مسلم دنیا کے اہم اداروں مثلاً رابطہ عالم اسلامی وغیرہ کے کاموں میں بہت سرگرم رہتے اور اس کے بعض ذیلی شعبوں کے مستقل رکن رہے۔ انہوں نے دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ چھوڑا جہاں وہ اللہ کے دین کی اشاعت کی غرض سے گئے نہ ہوں۔ دنیا بھر سے لوگ ان کو اپنے تبلیغ و تدریس کے کاموں میں بلاتے رہتے اور وہ کسی کی دعوت کو کبھی رد نہ کرتے تمام عمر اسی طرح دین کی ترویج کرتے دنیا کے کونے کونے میں پھرتے رہتے۔

بابا کی دلی خواہش پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ خصوصاً پاکستانی معیشت کو ایک صحیح اسلامی معیشت کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ یہ ان کا ایک دیرینہ خواب تھا جس کے لیے وہ ساری زندگی سر توڑ کوشش کرتے رہے۔ ان کی اور ان کے دیگر ساتھیوں (مثلاً مولانا تقی عثمانی، سابق گورنر سٹیٹ بینک جناب عشرت حسین وغیرہ) ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ

کوئی از راہ مذاق کچھ کہتا تو یا تو حضرت صدیق کی خلافت کا وہ واقعہ سناتے جس میں ان کی زوجہ محترمہ نے یومیہ وظیفے میں سے تھوڑے تھوڑے پیسے بچا کر حلوہ بنالیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کو علم ہوا تو انہوں نے وظیفے میں سے اتنے پیسے کم کروا دیے جتنے حلوہ بنانے میں خرچ ہوئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اتنے پیسوں کے بغیر بھی گزارہ ممکن ہے۔ کبھی قائداعظم کی زندگی کا کوئی قصہ سناتے کہ کس طرح انہوں نے سادگی اور امانت کی مثالیں قائم کیں۔

بابا جب وزیر مذہبی امور کے عہدے پر فائز تھے تو ہر بدھ کو کابینہ کی میٹنگ ہوتی تھی۔ جب وہ میٹنگ میں شرکت کے لیے جاتے تو ہر رکن کے لیے ایک سادہ کاغذ اور ایک پنسل رکھی ہوتی تھی۔ ہر کوئی میٹنگ کے بعد یا تو پنسل اپنے ساتھ لے جاتا یا ادھر ادھر ہو جاتی لیکن بابا اس پنسل کو لا کر حفاظت سے اپنے دفتر کی دراز میں رکھ دیتے تھے۔ وزارت چھوڑنے کے بعد جب انہوں نے سرکاری چیزیں دفتر میں جمع کرائیں تو ان میں پنسلوں کی وہ گڈی بھی تھی جو وہ گم یا ضائع ہونے کے ڈر سے اپنے پاس جمع کرتے رہتے۔ انہوں نے وہ ساری پنسلیں اپنے عملے کو دیں اور ان کی رسید بنانے کو کہا۔ عملے والوں نے کہا کہ ایسی چھوٹی موٹی چیزوں کا یہاں کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ اس پر انہوں نے ذرا سختی سے پنسلیں جمع کرنے اور رسید بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ چیز چھوٹی ہے یا بڑی۔ یہ میرے پاس حکومت پاکستان کی امانت ہے اور اس کو واپس کرنا میرے ذمے فرض ہے۔

کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے جملوں میں اتنی بڑی بات کہہ دیتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ میں شادی کے بعد لاہور میں مقیم تھی تو میرے گھر میں چوری ہوگئی اور گھر کا تقریباً سارا قیمتی سامان چلا گیا۔ میں نے بہت افسردگی کی حالت میں انہیں بتایا کہ بابا ہمارے گھر میں چوری ہوگئی اور یہ یہ سامان چلا گیا اس پر بابا نے ایک چھوٹا سا جملہ کہا کہ "بیٹا جو گیا وہی بچا" یعنی آخرت میں اجر اسی کا ملے گا جو چلا گیا۔ اس جملے میں اتنا اثر تھا یا ان کے پختہ یقین کی برکت تھی کہ اس کے بعد مجھے کبھی یہ احساس ہوا ہی نہیں کہ میرا کوئی نقصان ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ میری ایک سہیلی نے بابا سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب! میں اپنے بیٹے کو آپ کے جیسا بنانا چاہتی ہوں۔ آج کے دور میں جب کہ سکولوں اور مدارس کا حال آپ کے سامنے ہے تو کیا ایسا ممکن ہے؟ تو انہوں نے ایک چھوٹی سی بات کہی کہ "نبوت کے علاوہ سب کچھ ممکن ہے"۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اپنے معنی کے اعتبار سے بے حد گہرا اور سبق آموز ہے۔

بابا دین کے معاملے میں کسی سختی یا شدت پسندی کے قائل نہ تھے۔ کہتے تھے کہ شدت پسندی سے لوگ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور کی رسومات مثلاً سالگرہ، نیوائر وغیرہ کے بارے میں کبھی یہ نہ کہتے کہ یہ حرام یا ناجائز ہے بلکہ یہ کہتے تھے کہ یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جن چیزوں کی حرمت قرآن یا حدیث کی نصوص

رہتے تھے۔ایک فارسی شعر بکثرت ان کی زبان پر رہتا:

ندیمِ خویش می سازی مرا لیکن ازاں ترسم
نہ داری تاب آن آشوب وغوغائے کہ من دارم

اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود گھر والوں کے لیے ضرور وقت نکالتے۔ ہم میں سے ہر کسی سے اس کی تعلیم کے سلسلے میں دریافت کرتے اور رہنمائی کرتے رہتے تھے۔ کبھی اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ سنا کر اس کے ذریعے نصیحت کرتے۔ انہوں نے کبھی تعلیم کے سلسلے میں اپنی مرضی ہمارے اوپر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی مثبت پہلو نکال لیتے تھے۔ جب میں نے بی ایس سی کے بعد ان سے ایم بی اے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اسے بہت سراہا اور کہا کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ ہمارا معاشی نظام اسلامی نظریات پر مبنی نہیں ہے۔ اگر نیت یہ رکھو کہ جدید معاشیات کی تعلیم حاصل کرکے اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانا ہے تو اس دنیوی تعلیم کے حصول کو بھی اللہ تعالیٰ عبادت کا درجہ دے گا اور اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

بابا ہم سب بہن بھائیوں کے ساتھ نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ہر کسی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بہت خیال رکھتے۔اس کے علاوہ بھی ہر انسان کے ساتھ اس کی سطح کے مطابق حسن سلوک کا برتاؤ کرتے۔ چھوٹے بچوں پر بہت شفقت رہتی تھی۔ جب بھی میں ان کی گھر آتی تو میرے بچوں کی پسند کی چیزیں پہلے سے لا کر رکھتے۔ جب اپنی اسٹڈی میں کام کر رہے ہوتے تو میرا دو سالہ بیٹا ان کی میز کے نیچے بیٹھ جاتا اور ان سے باتیں کرتا رہتا۔ وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ برابر اس کی باتوں کا جواب دیتے رہتے اور اس سے کبھی تنگ نہ ہوتے۔ وہ ان کی انگلی پکڑ کر ان کو کہیں بھی لے جاتا تو اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے اور وہ جو کچھ کہتا جاتا وہی کرتے رہتے۔ بچوں کے لیے ٹافیاں اور جانور مثلاً مچھلیاں اور چوزے لانے کا بہت شوق تھا۔ خود اتوار بازار جا کر بچوں کے لیے جانور خریدتے۔

بابا کو بازاروں میں پھرنا اور لمبی شاپنگ کرنا سخت ناپسند تھا۔ کہتے تھے کہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔ بازار صرف ضرورت کے وقت جاتے، سیدھے اپنے مطلب کی دوکان پر جاتے اور بھاؤ تاؤ میں زیادہ بحث کیے بغیر تھوڑی سی دیر میں ساری خریداری کر کے واپس آجاتے۔

بابا بہت نرم خو اور نرم مزاج انسان تھے۔ انہوں نے زندگی بھر کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ گھر والوں کے علاوہ تمام خاندان والوں کے دکھ درد میں شریک رہتے اور ان کی مدد اور رہنمائی کرتے۔ رشتہ داروں کی ہر خوشی اور غم کے موقع پر ان کے ساتھ ہوتے۔ گھریلو ملازمین اور اپنے عملے کے لوگوں (مثلاً ڈرائیور اور گارڈ وغیرہ) کا

آج پاکستان میں بہت سے اسلامی بینک کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ بابا کا خیال تھا بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت بھی ہے کہ پاکستان کی معاشی تباہ کاری کی بڑی وجہ سودی معیشت ہے۔ سود ایک ایسی لعنت ہے جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کھلم کھلا اعلان جنگ کیا ہے۔ بہت سے لوگ اسلامی بینکاری کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اسلامی بینکوں اور دیگر کمرشل بینکوں کے کام کے طریقہ کار میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ لیکن بابا کا نظریہ یہ تھا کہ آج کل کے جدید بینکاری کے نظام میں جو چیزیں اسلام سے متصادم ہیں (مثلاً ربا، قمار، غرر وغیرہ) ان کا خاتمہ کر کے اسی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے اور ربا اور دیگر حرام چیزوں کے اسلامی متبادلات ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے سارے نظام یا طرز زندگی کو یکسر نہیں بدلا بلکہ لوگوں کے رہن سہن اور معیشت و معاشرت میں جو چیزیں شریعت سے متصادم تھیں ان کی نشاندہی کی اور ان چیزوں کے بہتر نعم البدل عطا فرمائے۔ اسی طرح موجودہ دور میں جدید بینکاری کے نظام کو کچھ اصلاحات کے بعد اسلام کی روح کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔

بابا کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ دادی محترمہ بتاتی ہیں کہ کہ بچپن میں جب بابا اور چچا مدرسے جاتے تھے تو ہمارے دادا محترم روزانہ جیب خرچ اور تانگے کا کرایہ دیتے تھے۔ بابا نے کبھی اس جیب خرچ سے کوئی کھانے کی چیز نہ خریدی بلکہ اس کو جمع کر کے رکھتے اور کوئی کام کی کتاب خرید لیتے۔ کبھی مدرسے سے بس اسٹاپ تک جانے کے لیے تانگہ استعمال نہ کیا بلکہ روزانہ اپنے کرائے کے چار چھ آنے بچا لیتے۔ چچا کو تانگے میں بٹھا دیتے اور خود تانگے کے ساتھ ساتھ پیدل بس اسٹاپ تک جاتے تاکہ چچا کا خیال بھی رکھیں اور کرایے کے پیسے بھی بچا لیں جن سے کتاب خرید سکیں۔ کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا یہ شوق آخر تک جاری رہا۔ جہاں بھی جاتے وہاں سے کتابیں خرید کر لاتے اور انہیں بہت احتیاط سے رکھتے۔ ایک دفعہ میرے پاس لاہور آئے تو انہیں لاہور شہر میں کسی جگہ کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ اگر تھا تو صرف دو مقامات کے راستوں کا علم تھا ایک اردو بازار اور ایک پرانی انارکلی میں کتابوں کا بازار۔

بابا کو علامہ اقبال کی شخصیت سے گہری عقیدت اور ان کی شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ اکثر اقبال کے مختلف اشعار کا ہم سے مطلب پوچھتے اور اس پر انعام دیتے۔ کبھی ایک مصرعہ پڑھتے اور اگلا بتانے کو کہتے۔ شاعری کے علاوہ علامہ اقبال اور قائداعظم اور تحریک پاکستان کے دیگر قائدین کی زندگیوں کے اہم اور دلچسپ واقعات ہمیں اکثر سناتے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کی طرف سے مختلف عبادات مثلاً حج، عمرہ اور قربانی وغیرہ کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی کئی نظموں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ علامہ اقبال کے بیشتر اشعار زبانی یاد تھے اور کچھ مخصوص پسندیدہ اشعار گنگناتے

خاص خیال رکھتے۔ ہر کسی سے الگ الگ اس کے گھر والوں کا حال پوچھتے اور ان کی معاشی مدد کرتے رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ " دو آدمی رشک کے قابل ہیں، ایک وہ جس کو خدا علم دے اور وہ اسے دوسروں تک پہنچائے، اور دوسرا وہ جس کو خدا مال دے اور وہ اسے دوسروں پر خرچ کرے "۔ بابا کو اللہ تعالیٰ نے علم اور مال دونوں کی دولت سے نوازا تھا اور وہ اسے ساری زندگی دوسروں پر لٹاتے رہے۔ شاید اسی لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لیے قابل رشک بنا دیا تھا۔

جب وہ وزیر مذہبی امور کے عہدے پر فائز تھے تو اپنے ڈرائیور کی بیٹی کی شادی میں ہم سب کو لے کر گئے اور اس کی خوشی میں شریک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی عزت کی زندگی ان کو دی تھی اتنی ہی عزت سے اپنے پاس بلا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی انسان کی بخشش کے لیے کافی ہے کہ تین لوگ اس کے بارے میں خیر کی گواہی دیں۔ جبکہ بابا کے جنازے پر ہزاروں لوگوں کا مجمع یہ گواہی دے رہا تھا کہ ہم نے اس انسان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ انکے جنازے میں شریک ہونے والے بتا رہے تھے کہ اس موقع پر ہر کوئی اس طرح بلک بلک کر رو رہا تھا جیسے اس کی سب سے عزیز ہستی اس سے چھن گئی ہو۔ ان کے وصال کے بعد ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ بھی تعزیت کے لیے آئے جن کو گھر والوں میں کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا ان کو کتنا پسند کرتی تھی۔ بابا کی جدائی کا غم ہے تو بہت عظیم لیکن شاید یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور مؤمن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہر آزمائش پر پورا اترے اور صرف اس کی رضا میں راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان میں کامیاب ہونے کی ہمت اور بابا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی کتاب محاضرات قرآنی: تعارف و خصائص

* ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ڈاکٹر محمود احمد غازی کو اللہ جلّ شانہٗ نے گوناگوں صفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا.......................آپ نے اپنی ساری زندگی قلم وقرطاس کی معیت میں گزاری.....................علومِ اسلامیہ سے متعلق امہاتِ الکتب اور معاصر لٹریچر کا مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ اسی مشغلہ میں آپ نے اپنی شب روز کا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ عالمِ دُنیا سے رخصت ہوئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قرآنِ مجید کے حفظ سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا اور قرآن کے ساتھ مسلسل اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ قرآن مجید کی اہم تفاسیر کا مطالعہ آپ کے معمولات میں شامل تھا..........علوم القرآن کے مصادر و مآخذ کے محتویات اور اہم جوانب آپ کو از بر تھے...............اس موضوع پر جب آپ گفتگو کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین، متأخرین اور معاصرین کے ذخائر آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ اُن سے حسب موقع اقتباس لے کر پیش کر رہے ہیں۔ ''محاضراتِ قرآنی'' دراصل ان بارہ خطبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے اپریل ۲۰۰۳ء میں اُن خواتین اساتذہ کے حلقہ میں پیش کیے جن کا تعلق تدریس قرآن سے ہے۔

ان محاضرات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت قاری پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے قرآنی علوم پر لکھے جانے والے علمی ذخیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ایک خاص تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔ قرآنِ مجید کے علوم اور مضامین پر اُردو زبان میں لکھی جانے والی کتب کی صف میں ڈاکٹر صاحب کے محاضرات پر مشتمل کتاب ''محاضراتِ قرآنی'' سہل اور سلیس انداز میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

اس بیان کا اندازہ ''محاضراتِ قرآنی'' کے درج ذیل محتویات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

- ⊙ خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ
- ⊙ خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف
- ⊙ خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔